(دوسری قسط)

نا محمد عبد الرشید نعمانی

کیا حسابِ تقویم کی رو سے سنہ ہجری کے دن اور تاریخ کا تعین ہوسکتا ہے؟

قویم کا حساب فرضی ہے

ہم نے تقویم کے حساب کو جو فرضی کہا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ تمام اجرامِ سماوی یں چونکہ آفتاب و ماہتاب سب سے زیادہ نمایاں ہیں، اس لیے دنیا کی تمام قوموں نے ماہ و سال کا شمار ان ہی دونوں کی گردشوں پر اس طریقے سے رکھا کہ شمس کی نسبت سے قمر کے ایک دَور وضعی کو قمری ماہ بنالیا، یعنی شمس کے ساتھ جو قمر کی ایک وضع معین اور صورت خاص ہے، اس پر قمر کے آجانے کو اس کا منتہا اور ان دونوں اجتماعوں یا دونوں ہلالوں یا دونوں استقبالوں کے درمیانی زمانہ کو ماہ قمری سے موسوم کیا۔ جس طرح ہماری شریعت یں ایک ہلال سے ماہ کا آغاز قرار دیا گیا اور دوسرے ہلال پر اس کا اختتام اور ان دونوں ہلالوں کی درمیانی مدت کو خواہ وہ تیس دن میں تمام ہو یا انتیس دن میں، ایک ماہ شمار کیا ہے۔ اسی طرح بارہ قمری مہینوں کو ایک سال کہنے لگے، اور شمس کی ایک گردش یعنی منطقۃ البروج کے ایک نقطۂ معینہ مثلاً اول برج حمل سے جدا ہوکر دوبارہ اسی نقطہ پر آفتاب کے آجانے کو سال شمسی قرار دیا۔ اور چونکہ آفتاب کی گردش بارہ برجوں پر منقسم ہے اس لیے ہر برج کے طے کرنے میں آفتاب کو جو عرصہ لگتا ہے، اس کو ماہ شمسی بنایا۔ پھر

مولانا محمد عبدالرشید نعمانی (دوسری قسط)

کیا حساب تقویم کی رو سے سنہ ہجری کے دن اور تاریخ کا تعین ہوسکتا ہے؟

تقویم کا حساب فرضی ہے

ہم نے تقویم کے حساب کو جو فرضی کہا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ تمام اجرام سماوی میں چونکہ آفتاب و ماہتاب سب سے زیادہ نمایاں ہیں، اس لیے دنیا کی تمام قوموں نے ماہ و سال کا شمار ان ہی دونوں کی گردشوں پر اس طریقے سے رکھا کہ شمس کی نسبت سے قمر کے ایک دور وضعی کو قمری ماہ بنالیا، یعنی شمس کے ساتھ جو قمر کی ایک وضع معین اور صورت خاص ہے، اس پر قمر کے آجانے کو اس کا منتہا اور ان دونوں اجتماعوں یا دونوں ہلالوں یا دونوں استقبالوں کے درمیانی زمانہ کو ماہ قمری سے موسوم کیا۔ جس طرح ہماری شریعت میں ایک ہلال سے ماہ کا آغاز قرار دیا گیا اور دوسرے ہلال پر اس کا اختتام اور ان دونوں ہلالوں کی درمیانی مدت کو خواہ وہ تیس دن میں تمام ہو یا انتیس دن میں، ایک ماہ شمار کیا ہے۔ اسی طرح بارہ قمری مہینوں کو ایک سال کہنے لگے، اور شمس کی ایک گردش یعنی منطقۃ البروج کے ایک نقطۂ معینہ مثلاً اول برج حمل سے جدا ہو کر دوبارہ اسی نقطہ پر آفتاب کے آجانے کو سال شمسی قرار دیا۔ اور چونکہ آفتاب کی گردش بارہ برجوں پر منقسم ہے اس لیے ہر برج کے طے کرنے میں آفتاب کو جو عرصہ لگتا ہے، اس کو ماہ شمسی بنایا۔ پھر

منجموں نے تقویم بنانے کے لیے اپنی سہولت کی خاطر ہر ماہ و سال کے خواہ وہ قمری ہوں یا شمسی، دو قسمیں قرار دیں، ایک حقیقی، دوسری اصطلاحی، جس کو وسطی بھی کہا جاتا ہے۔ حقیقی وہ ہے جس میں شمس و قمر کی گردش کا پوری طرح لحاظ ہو اور ان کی وضع خاص اور برج کی تقسیم اور حرکت کے اعتبار سے مدت کی تعیین ہو، مثلاً ماہ حقیقی قمری وہ ہے جس میں دونوں ہلالوں کے درمیانی زمانہ میں ایک ساعت یا ایک دقیقہ کی بھی کمی بیشی نہ ہو، جس طرح ہماری شریعت میں ماہ کا شمار ہوتا ہے۔ اور سال حقیقی قمری وہ ہے جو بارہ[۱۲] ماہ ہائے قمری سے ذرا کم و بیش نہ ہو، جیسا کہ ہماری شریعت میں ہے۔ اسی طرح ماہ حقیقی شمسی وہ ہے جس کا زمانہ آفتاب کے ایک برج معین میں رہنے کے بالکل برابر ہو۔ اور سال شمسی حقیقی وہ مدت ہے جو آفتاب کے ایک مکمل دورہ کے عین مطابق ہو۔ اور ماہ اصطلاحی وہ ہے، جس میں شمس و قمر کی گردش حقیقی کا لحاظ نہ ہو بلکہ ہر مہینے کے ایام معینہ کی ایک تعداد مقرر کر دی جائے مثلاً کسی مہینہ کو انتیس[۲۹] کا اور کسی کو تیس[۳۰] کا اور کسی کو اکتیس[۳۱] کا مقرر کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ مہینہ کی یہ مقدار کبھی ماہ حقیقی سے زیادہ ہوگی اور کبھی کم۔ اور جو سال ان بارہ[۱۲] اصطلاحی مہینوں سے مرکب ہو وہ سال اصطلاحی کہلاتا ہے۔[۱]

اس تفصیل کے بعد اب آپ ابوالفضل کا یہ بیان پڑھیے :-

و اہل حساب رؤیت از نظر	اور اہل حساب نے رؤیت کو نظر انداز کر کے
انداختہ ماہ قمری را بر دو گونہ ساختہ اند	ماہ قمری کی دو قسمیں کی ہیں۔ ایک حقیقی، جو چاند کے
حقیقی و آں بر ہنگام دوری ماہ از وضع	آفتاب سے ایک وضع معین جیسے (ایک برج میں
معین با آفتاب چون اجتماع یا استقبال	دونوں کے) اجتماع یا (بالکل مقابل برجوں میں)
یا جز آن تا باز بداں رسد،	کے آمنے سامنے ہونے یا کسی اور وضع معین سے
و اصطلاحی، چون حرکات قمر	دور ہو کر پھر اسی وضع معین پر آجانے کا نام ہے
مختلف باشد ضبط آن د	دوسرے اصطلاحی، چونکہ چاند کی گردش مختلف ہوا

---

[۱] اس تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، نتیجۂ بہادر خانی مؤلفہ مولوی غلام حسین جونپوری صفحہ ۳۶۔ طبع بنارس سنہ ۱۲۵۷ھ

دشوار و همچنان مشکلها. پس بحرکت وسطی قرار دادند و لختے کار آسان شد۔ ۵۱

کرتی ہے اور اس کا پوری طرح حساب کرنا اور اس کی شکلوں کو محفوظ رکھنا دشوار ہے، اس لیے حرکت وسطی سے حساب لگایا اور کچھ کام آسان ہوگیا۔

اس کے بعد ابوالفضل نے زیچ بنانے کا وہی قاعدہ بتایا ہے جو مقریزی اور بیرونی کے بیانات میں (پہلی قسط میں) آپ کی نظر سے گزرا۔

اب ظاہر ہے کہ اہل حساب نے جب اپنی تقویموں میں رؤیت کو نظر انداز کیا اور ماہ وسال حقیقی کو سرے سے چھوڑ دیا اور شمس و قمر کی گردش کا خیال نہ کیا تو ان کا حساب فرضی نہ ہوا تو کیا ہوا؟

ارباب تقویم کے اس حساب کی حقیقت بس اتنی ہے کہ تیس سال میں قمر کے تیئس (۳۰) دورے پورے ہوجاتے ہیں اور ان تیس سالوں میں انیس (۱۹) سال، تین سو چون (۳۵۴) دن کے ہوتے ہیں اور گیارہ (۱۱) سال، تین سو پچپن (۳۵۵) دن کے۔ لیکن ان میں کون سا قمری سال ۳۵۴ دن کا ہوگا اور کون سا ۳۵۵ دن کا، اس کی تعیین ان کے بس کی بات نہیں۔ اور یہ جو زیچ نگاروں نے ان گیارہ سالوں کی اس طرح تعیین کی ہے کہ

"و در ہر سی سال یازدہ بار ذی الحجہ را سی روز گیرند واین سالہا را سال کبیسہ نامند وآن سالہا ۲ - ۵ - ۷ - ۱۰ - ۱۳ - ۱۵ - ۱۸ - ۲۱ - ۲۴ - ۲۶ - ۲۹ است" ۵۲

وہ محض فرضی ہے کہ کوئی ضروری نہیں کہ ان ہی سالوں کے ایام ۳۵۵ دن کے ہوں جیسا کہ ذی الحجہ کا ان سالوں میں تیس دن کا ہونا قطعاً ضروری نہیں۔ عین ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی سال ۳۵۴ دن کا ہو اور بقیہ انیس میں سے کوئی ۳۵۵ کا، جس طرح کہ تقویم میں جن مہینوں کو تیس (۳۰) دن کا بتایا ہے، ان کا تیس ہی دن کا ہونا یا جن کو انتیس (۲۹) دن کا بتایا

---

۵۱ آئین اکبری صفحہ ۲۳۰ طبع دہلی ۱۲۷۲ھ بہ تصحیح سرسید احمد خاں

۵۲ زیج بہادر خانی صفحہ ۵۰ طبع بنارس ۱۲۶۶ھ

ہے، ان کا انتیس ۲۹ ہی دن کا ہونا ضروری نہیں ہے، اسی امام فن بیرونی نے تقویم سازی کا اُصول بتاتے ہوئے آخر میں تصریح کردی ہے کہ

"رویت ہلال کے اعتبار سے ممکن ہے، دو ماہ مسلسل انتیس ۲۹ انتیس ۲۹ دن کے ہوں اور تین ماہ مسلسل تیس ۳۰ تیس دن کے۔ اور بالکل ممکن ہے کہ حرکت قمر کے اختلاف کے باعث سال قمری مقدار مذکور سے (جو تقویم میں قرار دی گئی ہے) زائد یا کم ہوجائے"

تقویم کا حساب حقیقی جب ہوتا جب کہ چاند کی حقیقی حرکات کا انضباط منجموں کے لیے آسان ہوتا، حالانکہ ابوالفضل کا یہ اعتراف ابھی آپ کی نظر سے گزرا کہ

"حرکات قمر مختلف باشد ضبط آن دشوار و ہمچنان مشکلہا" [1]

ابوالفضل کے اعتراف عجز کی وجہ بیرونی سے سُنیئے جو اپنی مشہور کتاب الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ میں "شیعہ اسماعیلیہ" کے حساب سے تقویمی کا محاسبہ کرتے ہوئے اس طرح رقمطراز ہے :-

ویبتدءون بالشهر من عند رؤية الهلال وكذلك شرع في الاسلام كما قال الله تعالیٰ : يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ - ثم منذ سنين نبتت نابتة ونجمت ناجمة ونبغت فرقة جاهلية فنظروا الى اخذهم	اور عرب مہینے کی ابتدا رُویت ہلال سے کرتے ہیں اور اسی طرح اسلام میں مشروع ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "لوگ آپ سے نئے چاندوں کے بارے دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ یہ لوگوں کے لیے اور حج کے لیے اوقات مقررہ ہیں۔" پھر چند سال سے ایک نئی پود اُگ آئی ہے اور ایک نمایاں جماعت نمودار ہوئی ہے اور ایک جاہلی فرقہ اُبھرا جو اپنے خیال میں

[1] آئین اکبری صفحہ ۲۷۰

بالتاویل وولوعهم بسبب الآخذین بالظاهر بزعمهم الی الیهود والنصارٰی فان لهم جداول وحسبانات یستخرجون بها شهورهم ویعرفون منها صیامهم والمسلمون مضطرون الی رؤیة الهلال وتفقد ما اکتسبه القمر من النور واشتراك بین نصفه المرئی ونصفه المستور ووجدوهم شاکین فی ذلك مختلفین فیه مقلدین بعضهم بعضاً بعد استفراغهم اقصی الوسع فی تأمل مواضعه وتفحص مغاربه ومواقعه ثم رجعوا الی اصحاب علم الهیئة فالفوا زیجاتهم وکتبهم مفتتحة بمعرفة اوائل سائر الشهور من شهور العرب بصنوف الحسبانات وانواع الجداول فظنوا انها معمولة لرؤیة الاهلة واخذوا بعضها ونسبوه ال

ظاہر پر عمل کرنے والوں کے سبب سے تاویل کو اختیار کرتے ہیں اور اس پر فریفتہ ہیں۔ ان لوگوں نے یہود و نصارٰی کو دیکھا کہ ان کے پاس تو گوشوارے اور حسابات موجود ہیں جن کے ذریعے وہ اپنے مہینوں کو نکالتے ہیں، اپنے روزوں کو معلوم کرتے ہیں۔ اور مسلمان رؤیتِ ہلال پر مجبور ہیں اور چاند میں روشنی آجانے کی تلاش میں رہتے ہیں کہ قمر کے نصف مرئی اور نصف مستور میں کس قدر اشتراک نور ہوا ہے۔ اور پھر باوجود اس کے کہ وہ اپنی پوری کوشش چاند کے مقامات پر غور کرنے اور اس کے مغارب و مواقع کے ڈھونڈنے میں صرف کردیتے ہیں، پھر بھی ان میں شک اور اختلاف رہتا ہے اور اس میں وہ ایک دوسرے کی تقلید کرتے ہیں۔ اس لیے انھوں نے اصحابِ علم ہیئت کی طرف رجوع کیا، جنھوں نے اپنی زیچوں اور اپنی کتابوں کو طرح طرح کے حسابات اور مختلف گوشواروں کے ساتھ اس طرح مرتب کیا تھا کہ ان کے آغاز ہی میں عربی مہینوں کے اوائل کی معرفت کا بیان ہے، اس لیے انھوں نے یہ سمجھا کہ یہ زیچیں رؤیتِ ہلال کے لیے بنائی گئی ہیں، چنانچہ انھوں نے ان میں سے بعض حسابات اور گوشواروں کو لے کر

جعفر الصادق عليه السلام و زعموا انه سر من اسرار النبوة وتلك الحسابات مبنية على حركات النيرين الوسطى دون المرئية اعني المعدلة ومعمولة على ان سنة القمر ثلاثمائة واربعة وخمسون يوما وخمس يوم (كذا) وان ستة اشهر من السنة تامة وستة ناقصة وان كل ناقص فهو يتلو التام على ما عمل عليه في الزيجات وذكر في الكتب المنسوبة الى عللها.

فلما قصدوا الى استخراج اول الصوم واول الفطر بها خرج لهم الواجب بيوم في اكثر الاحوال ... قالوا وان شهر رمضان لا ينقص من ثلاثين -

فاما اصحاب الهيئة ومن تأمل الحال بعناية شديدة فانهم يعلمون ان رؤية الهلال غير مستمرة على سنن واحد.

حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی طرف منسوب کردیا اور یہ خیال قائم کیا کہ یہ بھی اسرار نبوت میں سے ایک راز ہے حالانکہ یہ سب حسابات شمس و قمر کی حرکات وسطی (یعنی حرکات اصطلاحی غیر حقیقی) پر مبنی ہیں۔ نہ کہ حرکات مرئیہ پر جو حقیقی ہیں۔ نیز یہ زیچیں اسی اصول پر بنائی گئی ہیں کہ سال قمری تین سو چون (۳۵۴) دن اور ایک خمس اور سدس دن کا ہوتا ہے اور سال کے چھ مہینے کامل تیس دن کے اور چھ مہینے ناقص (یعنی انتیس دن کے) ہوتے ہیں۔ اور ہر ناقص مہینہ کامل کے فوراً بعد ہوتا ہے، جیسا کہ زیچوں میں معمول ہے اور ان کتابوں میں مذکور ہے جو علل زیج کی طرف منسوب ہیں۔ (یعنی جن میں زیچ تیار کرنے کے وجوہ بیان ہوتے ہیں)

پھر جب اس جدید فرقے نے رمضان یا عید کی پہلی تاریخ کو معلوم کرنا چاہا تو اکثر حالات میں اس کے واجب ہونے سے ایک دن پہلے کا دن نکلا تو انھوں نے یہ کہہ دیا کہ ماہ رمضان تیس دن سے کم کا نہیں ہوتا۔

لیکن اصحاب ہیئت اور جن لوگوں نے پوری توجہ کے ساتھ اس مسئلے پر غور کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ رؤیت ہلال ہمیشہ ایک طریقے پر ممکن نہیں، کیونکہ قمر کی حرکت

لاختلاف حركة القمر المرئية	مرئیہ کبھی آہستہ ہوتی ہے اور کبھی تیز،
بطيئة مرة وسريعة اخرى	اور کبھی وہ زمین سے قریب ہوتا ہے اور
وقربه من الارض وبعده	کبھی دُور اور کبھی وہ شمال وجنوب میں
وصعوده في الشمال والجنوب	حالت صعود میں ہوتا ہے اور کبھی حالتِ
وهبوطه فيهما وحدوث	ہبوط میں۔ اور یہ سب حالات فلک البروج
كل واحد من هذه الاحوال	کے ایک منقطہ پر اس میں پیدا ہوتے رہتے
له في كل نقطة من فلك البروج	ہیں اور مستزاد یہ ہے کہ فلک البروج کے
ثم بعد ذلك لما يعرض من	بعض قطعے جلدی غروب ہوجاتے ہیں اور
سرعة غروب بعض القطع من	بعض دیر میں اور عرض البلد کے اعتبار
فلك البروج وبطء بعض و	سے کبھی اس میں تغیر ہوتا رہتا ہے اور ہواؤں
تغير ذلك على اختلاف عروض	کے اختلاف سے بھی کیونکہ بعض ملکوں کی
البلدان واختلاف الاهوية	ہوا طبعی طور پر صاف ہوتی ہے اور بعض
اما بالاضافة الى البلد الصافية	میں ہمیشہ بخارات کے اختلاط کی وجہ سے
الهواء بالطبع والكدورة المختلفة	کدورت رہتی ہے اور بعض کی فضا اکثر
بالبخارات دائما والمغبرة في	غبار آلود ہی رہتی ہے نیز موسم کے لحاظ
الاغلب واما بالاضافة الى الازمنة	سے بھی ہواؤں میں اختلاف ہوتا ہے، کسی
اذا غلظ في بعضها و رق في	موسم میں ان میں کثافت آجاتی ہے، کسی
بعض وتفاوت قوى بصر	موسم میں رقت رہتی ہے۔ نیز دیکھنے والوں
الناظرين اليه في الحدة و	کی نگاہ میں بھی تیزی اور درماندگی کے لحاظ
الكلال - وان ذلك كله	سے تفاوت ہوتا ہے۔ اور قمر کے یہ سب
على اختلافه بصنوف الاقترانات	مختلف احوال اور طرح طرح کے قرانات ہر
كائنة في كل اول شهري رمضان	ماہِ رمضان وشوال کی ابتدا میں بے شمار
وشوال على اشكال غير معدودة	اشکال اور غیر محدود احوال پر ہوتے رہتے

واحوال غير محدودة فيكون
لذلك شهر رمضان ناقصاً
مرة وتاماً اخرى وان ذلك
كله يتغير بتزايد عروض
البلدان وتناقصها فيكون
الشهر تاماً في البلدان الشمالية
مثلاً وناقصاً هو بعينه في
الجنوبية منها وبالعكس
ثم لا يجري ذلك فيها على نظم
واحد بل يتفق فيها ايضاً حالة
واحدة بعينها لشهر واحد
مراراً متوالية وغير متوالية.

فلو صح عملهم مثلاً بتلك
الجداول والحسابات واتفق مع
رؤية الهلال او تقدمه يوماً
واحداً لاحتاجوا الى افرادها لكل
عرض على ان اختلاف الرؤية
ليس متولد من جهة العروض
فقط لكن لاختلاف اطوال
البلدان فيها اوفر نصيب لانه
ربما لم ير في بعض البلاد و
رؤي في ما كان اقرب منه الى
المغرب وربما اتفق ذلك فيها

ہیں، یہی وجہ ہے کہ کبھی ماہ رمضان انتیس[۲۹]
دن کا ہوتا ہے اور کبھی تیس[۳۰] دن کا۔ اور
یہ سب حالات عرض البلد کے گھٹنے بڑھنے
کے اعتبار سے مختلف طور پر ہوتے رہتے
ہیں چنانچہ کبھی شمالی ملکوں میں ایک مہینہ تیس[۳۰]
دن کا ہوتا ہے اور وہی مہینہ جنوبی ممالک
میں انتیس کا اور کبھی اس کے برعکس،
پھر یہ بھی ہمیشہ ایک نظم پر نہیں چلتا، بلکہ
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک مخصوص مہینہ
بارہا مسلسل یا غیر مسلسل ایک ہی حالت پہ
چلتا رہتا ہے۔

تو اگر ان گوشواروں اور حسابات کے
لحاظ سے ان کا عمل صحیح بھی ہو اور وہ رؤیت
ہلال سے متفق ہو جائے یا ان کے اصول پر ایک
دن پہلے بنے تب بھی ان کے لیے ضروری ہے
کہ ہر عرض البلد کے لیے ایک علیحدہ نقشہ بنائیں
اگرچہ رؤیت ہلال میں اختلاف محض عرض
البلد ہی کی بنا پر نہیں ہوتا بلکہ طول البلد
کو بھی اس اختلاف میں بہت بڑا دخل ہے
کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض بلاد
میں چاند نظر نہیں آتا اور جو ممالک اس سے
مغرب میں قریب ہوتے ہیں، وہاں نظر
آجاتا ہے اور کبھی دونوں جگہ دیکھنے کا اتفاق

جميعا وذلك مما يحوج ايضاً	ہوتا ہے، اس بنا پر ان کے لیے یہ بھی ضروری
الى افراد الحساب والجداول	ہے کہ طول البلد کے ہر جزء کے لیے مستقل
لكل واحد من اجزاء الطول	حسابات اور نقشے تیار کریں۔ غرض ایسی صورت
فاذن لا يمكن ما ذكروه من	میں ان لوگوں کا دعویٰ کہ رمضان کا مہینہ
تمام شهر رمضان ابداً ووقوع	ہمیشہ تیس ہی دن کا ہوتا ہے اور تمام معمورہ
اوله واخره في جميع المعمور	ارض میں اس کا اول و آخر ہمیشہ یکساں ہی
من الارض متفقا كما يخرجه	ہوتا ہے جیسا کہ ان کا وہ گوشوارہ بتاتا ہے جس
الجدول الذي يستعملونه.	کو وہ استعمال میں لاتے ہیں، وہ ہرگز ممکن
(ص ۶۴ تا ۶۶ - طبع لیپزگ ۱۹۲۳ء)	نہیں ہے۔

آگے چل کر، اسی کتاب میں جہاں ہجری قمری مہینوں کے اوائل کو معلوم کرنے کا قاعدہ بیان کیا ہے، یہ بھی لکھا ہے کہ

فاما رؤية الهلال ففي	لیکن (ریاضی کے اصول پر) رؤیتِ ہلال
تحقيقه من الطول والصعوبة	کی تحقیق میں بڑی طوالت اور دشواری ہے،
ما يحتاج معه الى اعمال	اس کے لیے سخت اعمال اور بہت سے
صعبة وجداول كثيرة ويكتفى	گوشواروں کی ضرورت ہے۔ اس لیے جو کچھ
منه بما في زيج محمد بن	محمد بن جابر بتانی اور حبش حاسب کی زیج
جابر البتاني وزيج حبش الحاسب	میں ہے، اس پر اکتفا کیا جائے، اور
فليقصدهما ان احتاج	ضرورت پڑے تو ان کی طرف رجوع
اليهما. (ص ۱۹۲)	کیا جائے۔

اور پھر اس امر پر روشنی ڈالتے ہوئے کہ باطنیہ فرقہ نے جو تشیع اہل بیت کا مدعی ہے، اسی قاعدۂ مذکور کو عمل میں لا کر ایک حساب پیش کیا ہے، جس کے بارے میں اس فرقہ کا دعویٰ ہے کہ وہ اسرارِ نبوت میں سے ہے، حالانکہ یہ سارا حساب اسی قاعدہ پر مبنی ہے۔ البیرونی نے صاف صاف اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ رؤیتِ ہلال کے بارے میں اثبات یا

نفی میں کوئی قطعی اور حتمی حکم لگانا اہلِ فن کی استطاعت سے خارج ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے :-

ووجدت بعض رؤسائهم اخذ الجدول المجرد الذی وضعہ حبش فی زیجہ لتصحیح التاریخ المستعمل فی حساب الکواکب واقتفی اثر القوم بوضع کتاب طعن فیہ علی طالبی الهلال بالرؤیۃ و سبهم وعیرهم باستغناء الیهود والنصاری عن طلب الهلال للصیام واوائل الشهور بما عندهم من الجدول و اشتغال المسلمین بالمتشابہ من الاحوال . لوجاوز موضع الجدول المجرد من زیج حبش حتی انتهی الی[1] استعمال اصحاب الهیئۃ فی رؤیۃ الهلال و وقف علی کیفیاتها وعلی حقائق ما علیہ الیهود والنصاری لعلم ان الذی ذهب الیہ اهل الکتاب هی الشبہ بعینها و

اور میں نے اس جماعت کے ایک سربرآوردہ شخص کو دیکھا کہ اس نے مجرد اس گوشوارے کو لے کر جو حبش نے اپنی زیچ میں اس غرض سے مرتب کیا تھا کہ کواکب کے حساب میں جو تاریخ مستعمل ہوتی ہے، اس کی تصحیح کی جائے، اپنی قوم کے قدم بقدم چلتے ہوئے ایک کتاب تصنیف کی جس میں رؤیت کے تلاش کرنے والوں پر طعن و تشنیع کی، ان کو برا بھلا کہا اور عار دلائی کہ یہود و نصاریٰ کو تو اپنے روزوں کے لیے اور مہینوں کی پہلی تاریخ معلوم کرنے کے لیے رؤیتِ ہلال کی ضرورت نہیں پڑتی، کیونکہ ان کے پاس اس کے گوشوارے موجود ہیں اور اہلِ اسلام مشتبہ حالات میں پڑے ہوئے ہیں۔ لیکن اگر یہ شخص حبش کی زیچ میں اس مجرد جدول کے مقام سے آگے بڑھ کر ذرا اس مقام تک آتا کہ جہاں رؤیت ہلال کے بارے میں اصحابِ ہیئت کے اعمال کا ذکر ہے اور ان اعمال کی کیفیات پر اور ان حقائق پر مطلع ہوتا جن پر یہود و نصاریٰ کا عمل ہے تو اسے پتہ چلتا کہ یہود و نصاریٰ جس طرف گئے ہیں شبہ دراصل وہی ہے اور

عسى الواقف على ما قدّمنا يحقق ذلك. على ان علماء الهيئة مجمعون على ان المقادير المفروضة في اواخر امكان رؤية الهلال هي ابعاد لم يوقف عليها الا بالتجربة وللمناظر احوال هندسية يتفاوت لاجلها المحسوس بالبصر في العظم والصغر وفي الاحوال الفلكية ما اذا تاملها متأمل منصف لم يستطع بت الحكم على وجوب رؤية الهلال او امتناعها وخاصة حين يقع قريباً من نهاية ذلك البعد المفروض.

(ص ۱۹۷-۱۹۸)

امید ہے کہ جو شخص سابق میں ہماری بیان کی تفصیلات سے واقف ہوگا وہ ہماری اس بات کی تصدیق کرے گا۔ اس کے علاوہ علمائے ہیئت اس بات پر متفق ہیں کہ جو مقداریں امکان رؤیت ہلال کے اواخر میں فرض کی گئی ہیں وہ ایسے ابعاد ہیں جن پر صرف تجربہ سے واقفیت حاصل کی گئی ہے۔ مناظر دیکھنے میں علم ہندسہ کے اعتبار سے ایسے حالات پیش آتے رہتے ہیں کہ جن کی بنا پر جو چیز آنکھوں سے محسوس ہوتی ہے، اس میں بڑائی اور چھوٹائی کے لحاظ سے فرق ہوتا رہتا ہے، نیز فلکی حالات میں بھی تبدیلی ہوتی رہتی ہے، جس کی بنا پر اگر کوئی غور کرنے والا منصف مزاج غور و فکر سے کام لے تو رؤیت ہلال کے بارے میں نفی یا اثبات میں کوئی حتمی حکم نہیں لگا سکتا، خاص طور پر جب کہ چاند اس بعد مفروض کی انتہا کے قریب ہو۔

ملاحظہ فرمائیے۔ یہ ہے بیرونی کی تصریح کہ جب کوئی صاحب فن جو انصاف سے کام لیتا ہو اور غور و تامل سے پوری طرح کام لیتا ہو، وہ ہرگز یہ نہیں کرسکتا کہ رؤیت ہلال کے متعلق نفی یا اثبات میں کوئی حتمی حکم لگا دے۔ بیرونی نے یہ دعویٰ علم و فضل کی روشنی میں کیا ہے اور اس کے وجوہ و دلائل کی تفصیل ابھی آپ کی نظر سے گزر چکی ہے۔ آج ریاضی کا فن بڑی ترقی کرگیا ہے، تاہم ابھی تک بیرونی کے اس دعوے کی تردید نہ کی جاسکی۔ چنانچہ اب تک

رؤیتِ ہلال کی کوئی ایسی صحیح تقویم دنیا کے سامنے مرتب ہوکر نہیں آئی کہ جس میں غلطی کا احتمال نہ ہو۔

ہمارا محکمۂ موسمیات جس طرح آئے دن یہاں کے موسم اور بادو باران کے متعلق پہلے سے اعلان کرتا رہتا ہے، اسی طرح رؤیتِ ہلال کے بارے میں بھی اس کی پیشین گوئیاں برابر صادر ہوتی رہتی ہیں[1] لیکن وہ جس محتاط انداز میں اعلان کرتا ہے وہ خود جزم ویقین کی نفی کے لیے کافی ہے، مثلاً ۱۳۸۰ھ میں عید اور بقرعید کے چاند کے متعلق ہمارے محکمۂ موسمیات نے جو پیشین گوئی کی تھی، وہ ناظرین کی معلومات کے لیے روزنامہ جنگ کراچی کے الفاظ میں درج ذیل ہے :۔

عید کا چاند ۱۷ر مارچ کو نظر آئے گا

کراچی ۱۴ر مارچ (اسٹاف رپورٹر) پاکستان کے محکمۂ موسمیات نے اعلان کیا ہے کہ پورے ملک میں خاص کر مغربی پاکستان میں چاند ۱۷ر مارچ ۱۹۶۱ء کو نظر آنے کے "قوی امکانات" ہیں۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۱۶ر مارچ ۱۹۶۱ء ص ۶ کالم ۱)

ذی الحجہ کا ہلال ۱۵ر یا ۱۶ر مئی کو نظر آئے گا

کراچی ۱۰ر مئی (اسٹاف رپورٹر) ایک سرکاری ہینڈ آؤٹ میں کہا گیا ہے کہ ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ کا ہلال ۱۶ر مئی کو نظر آئے گا، تاہم ۱۵ر مئی ۱۹۶۱ء کو بھی اس کے نظر

---

[1] ان پیشین گوئیوں کی صحت و عدمِ صحت کے بارے میں ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، پورا ملک اس سے واقف ہے، بلکہ ساری دنیا کا عالمی ریکارڈ آپ کو بتا دے گا کہ ہر جگہ کے محکمۂ موسمیات کی پیشین گوئیوں کا اوسط فی صد کیا رہتا ہے۔ آپ خود بھی زحمت فرمائیں تو ہر سال محکمۂ موسمیات کی پیشین گوئیوں کا جائزہ لے کر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ان کی صحت کا اوسط فی صد کیا رہتا ہے۔

آنے کا "کچھ امکان" ہے۔ جب کہ ڈھاکہ (۶ بج کر ۵۸ منٹ مشرقی پاکستان اسٹینڈرڈ ٹائم) کراچی (۷ بج کر ۴۳ منٹ مغربی پاکستان اسٹینڈرڈ ٹائم) اور راولپنڈی (۷ بج کر ۲۸ منٹ مغربی پاکستان اسٹینڈرڈ ٹائم) میں مغرب کے وقت یہ علی الترتیب ۱۲ منٹ، ۱۵ منٹ اور ۱۰ منٹ اُفق سے اُوپر رہے گا۔ ۱۵ مئی کو یہ ہلال اس صورت میں نظر آسکتا ہے جب مغرب کے وقت اُفق کے قریب سورج غروب ہونے کے مقام سے بائیں جانب تقریباً ۵ ڈگری پر دیکھنے کے حالات بہت اچھے ہوں۔"

(روزنامہ جنگ کراچی ۱۲ مئی ۱۹۶۱ء ص ۱ کالم ۱)

ظاہر ہے کہ موجودہ دور میں اگر علم و فن کی روشنی میں رویتِ ہلال کے بارے میں بآسانی کوئی صحیح فیصلہ حتمی اور قطعی صورت میں کیا جا سکتا تھا تو ہمارا محکمۂ موسمیات ہلال ذی الحجہ کے متعلق یہ مذبذب بات کیوں کرتا اور ہلالِ عید کی پیشین گوئی کرتے وقت "قوی امکانات" کے الفاظ کیوں استعمال کرتا، جو سرے سے جزم و یقین کے منافی ہیں۔ معلوم ہوا بات وہی ہے جو بیرونی کہتا ہے کہ "جو شخص منصف مزاج ہو اور غور و تامل سے کام لے وہ کبھی رویتِ ہلال کے بارے میں قطعی اور حتمی حکم نہیں لگائے گا۔" چنانچہ ہلالِ عید کے بارے میں رویت کے "قوی امکانات" کا جو حشر ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔ روزنامہ "انجام" کراچی کا اسٹاف رپورٹر ۱۸ مارچ ۱۹۶۱ء کی کیفیت بیان کرتا ہوا لکھتا ہے :-

"محکمۂ موسمیات نے آج بھی یہ دعویٰ کیا ہے کہ کل شام عید کا چاند نظر آگیا تھا، اس لیے آج عید تھی، محکمہ کے بیان کے مطابق عید کا چاند دیکھنے کے لیے شہر کے مختلف علاقوں میں رصد گاہیں قائم کی گئی تھیں، ہاؤسنگ سوسائٹی کی رصد گاہ سے اطلاع ملی تھی کہ وہاں دوربینوں سے چاند نظر آگیا ہے۔"

(روزنامہ انجام کراچی، عید ایڈیشن، ۲۰ مارچ ۱۹۶۱ء ص ۱ کالم ۲)

یہ ہے "قوی امکانات" کے بارے میں خود محکمہ موسمیات کی شہادت، کہ شہر کے مختلف علاقوں کی رصدگاہوں میں صرف ایک ہاؤسنگ سوسائٹی کی رصدگاہ سے چاند نظر آیا اور وہ بھی دوربین کی مدد سے۔ حالانکہ حکم شرعی سے قطع نظر خود علم ہیئت میں بھی آغاز ماہ قمری کے لیے رؤیت ہلال میں طبعی رویت کا اعتبار ہے نہ رؤیت ارادی کا۔ یعنی اس رؤیت کا اعتبار ہے جو قدرتی طور پر آنکھوں سے محسوس ہو، نہ کہ اس رؤیت کا جو غیر طبعی طور آلات رصدیہ کی مدد سے حاصل ہو، چنانچہ زیج بہادر خانی کے "باب ہفتم در رؤیت ہلال" میں مرقوم ہے:-

مراد از رؤیت طبعی است نہ ارادی	رؤیت ہلال سے مراد طبعی رویت ہے نہ کہ
کہ بتوسط منظارہائی جیدہ بہ بینند	رؤیت ارادی کہ اعلیٰ قسم کی دوربینوں کے ذریعہ
چہ درین حالت ہلال قبل آنکہ بحد رؤیت	ہلال کو دیکھا جائے، کیونکہ اس حالت میں تو ہلال
رسیدہ باشد دیدہ می شود۔	کو اس کے حد رؤیت پر پہنچنے سے قبل بھی دیکھا
(ص ۵۵۶ طبع بنارس ۱۸۵۸ء)	جا سکتا ہے۔

عجیب بات ہے کہ ہمارے محکمہ موسمیات کو نہ جانے کیوں اس غیر طبعی رؤیت کی صحت پر بڑا اصرار رہا۔ حالانکہ پیشین گوئی کے الفاظ میں جزم و یقین کا ذرا سا بھی شائبہ تک نہ تھا، علماء اور عوام تو ظاہر ہے کہ محکمہ موسمیات کے اس اعلان کو کس طرح صحیح تسلیم کر سکتے تھے، جب کہ مطلع صاف ہونے کے باوجود رؤیت عامہ نہیں ہوئی اور جم غفیر کو چاند نظر نہیں آیا۔ لطف یہ ہے کہ خود ارباب فن نے بھی محکمہ موسمیات کے بیان کو صحیح باور نہیں کیا۔ چنانچہ روزنامہ "انجام" کراچی کی ... ذیل کی خبر ملاحظہ ہو:-

عید کے چاند کے متعلق محکمہ موسمیات کو پنجاب یونیورسٹی کی رصدگاہ کا چیلنج

لاہور ۲۰ مارچ (اپ پ) پنجاب یونیورسٹی کی رصدگاہ نے آج محکمہ موسمیات کے ڈائرکٹر کے اس دعوی کو چیلنج کیا ہے کہ چاند اگر اعشاریہ ۔ یا اعشاریہ ۵ دن کا ہو تو مطلع کی عام حالت میں اسے آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ ایک انٹرویو میں رصدگاہ کے حکام

نے بتایا ہے کہ جمعہ کی شام کو محض آنکھ سے چاند دیکھنا بہت مشکل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جمعہ کی شام کو کراچی میں ۱۸ منٹ تک چاند دیکھا گیا، لیکن یہ بیان بھی بالکل غلط ہے اس لیے کہ نیا چاند کبھی بھی اتنی زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتا، نہ ہی اتنا روشن ہو سکتا ہے کہ اسے انسانی آنکھ دیکھ سکے۔"

(روزنامہ انجام کراچی ۲۲ مارچ ۱۹۶۱ء ص ۱ کالم ۵)

یہ ہے اصحاب ہیئت و اہل نجوم کی اس درماندگی اور بیچارگی کی روئیداد جو انھیں قمر کی طرف ایک حالت یعنی رؤیتِ ہلال کے انضباط میں پیش آتی ہے[1] اور ظاہر ہے کہ جب رؤیتِ ہلال

---

[1] یہ واضح رہے کہ ہماری بحث اس سلسلے میں جو کچھ ہے وہ خالص فنی نقطۂ نگاہ سے ہے۔ یعنی اب تک علم ہیئت و ریاضی میں اتنی ترقی نہیں ہو سکی ہے کہ رؤیت ہلال کی کوئی صحیح تقویم بن سکے، اس لیے کسی خود ساختہ فرضی اصطلاحی تقویم کی بنا پر مؤرخینِ اسلام کی بیان کردہ دنوں کی صحت سے انکار کرنا بہت بڑی جسارت ہے۔ رہا شرعی حیثیت سے آغازِ ماہ و سال کا مسئلہ تو شریعتِ مطہرہ نے ثبوتِ ہلال کا دار و مدار یا رؤیت پر رکھا ہے یا شہادت پر، لیکن منجمین و موقتین کے حساب و کتاب کا سرے سے اس بارے میں اعتبار ہی نہیں کیا ہے۔ علمی اصطلاح میں ہم اس کو "الغا" کہیں گے نہ کہ "ابطال"۔ الغاء اور ابطال میں بڑا فرق ہے۔ **الغاء** کہتے ہیں کسی چیز کے کالعدم قرار دینے کو اور **ابطال** کے معنیٰ ہیں اس کی تکذیب کرنا اور اس کو غلط بتانا۔ اب خوب سمجھ لیجیے کہ شرع نے ہلال کے باب میں اہلِ ہیئت کے فیصلے کا "الغاء" کیا ہے یعنی اس کو کالعدم قرار دیا ہے اس لیے ان کے کسی اعلان سے شرعاً مہینہ کے ثبوت یا عدم ثبوت پر کوئی اثر مرتب نہ ہو گا لیکن ان کے حساب و کتاب کا ابطال نہیں کیا ہے، یعنی نہ اس کی تکذیب کی ہے اور نہ اس کو غلط بتایا ہے۔ اس لیے اگر بالفرض کل علم ہیئت اتنا ترقی کر جائے کہ رؤیتِ ہلال کی صحیح تقویم بن جائے اور جو پیشین گوئی [illegible] دی جائے وہ حرف بحرف صحیح نکلے تب بھی اس [illegible] پر کوئی اثر نہیں پڑے گا کیونکہ شریعت کا موضوع ریاضی یا ہیئت کے کسی نظریے کی تصدیق یا تکذیب نہیں۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ متعدد امور کا شریعت نے "الغاء" کیا ہے لیکن ان کا ابطال نہیں کیا ہے، مثلاً اندھیری رات میں جب

کا صحیح انضباط ان کے بس میں نہیں تو پھر وہ اپنی تقویم کا حساب رُویتِ ہلال پر کس طرح رکھ سکتے تھے ، ناچار ان کو حقیقی قمری ماہ و سال کی بجائے تقویم کا حساب اپنے فرض کردہ اصطلاحی قمری ماہ وسال سے کرنا پڑا جس کی بناء پر ان کی تقویم کے حساب میں اور ماہ ہلال ہلالی حقیقی کے حساب میں ایک دو دن کا فرق ہو جانا روز مرہ کی بات ہے ، چنانچہ عصرِ حاضر کے مشہور مراکشی موقت سید محمد بن محمد بن عبد اللہ اپنی مشہور کتاب مجموعۃ الیواقیت العصریہ میں یہ لکھتے ہیں :۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سمتِ قبلہ مشتبہ ہو، ایک شخص بغیر تحری کیے اور اپنی اٹکل کو کام میں لائے، جانبِ قبلہ نماز ادا کرتا ہے تو شرعاً اس کی یہ نماز (اگرچہ وہ فی الواقع جانبِ قبلہ ہی ادا کی گئی ہو لیکن) کالعدم ہے ، کیونکہ شریعت نے ایسے موقع پر یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنی سوجھ بوجھ سے کام لے کر پہلے قبلہ کا رُخ متعین کرلے اور جس طرف اس کا دل گواہی دے کہ ادھر قبلہ ہے اسی سمت نماز ادا کرے اور اس صورت میں اگر سمتِ قبلہ کی تعیین میں اُسے خطا بھی ہو تب بھی اس کی نماز صحیح ہے ، لیکن بغیر سوچے سمجھے اگر قبلہ کی بالکل صحیح سمت میں بھی اس نے نماز ادا کی تو وہ ناقابلِ اعتبار ہے ۔ اسی طرح سب جانتے ہیں کہ خود خلیفہ یا قاضی اگر کسی شخص کو اپنے سامنے زنا یا چوری یا کسی اور جرم کا ارتکاب کرتے دیکھے تو محض اپنے ذاتی علم کی بنا پر (جب تک اس شخص کے خلاف ثبوتِ جرم کی پوری شہادت فراہم نہ ہو) اس پر حد جاری نہیں کرسکتا۔ لیکن صرف شہادت کے پیش ہونے کی صورت میں (گو امیر یا قاضی کو ارتکابِ جرم کا سرے سے کچھ علم نہ ہو) حد کا جاری کرنا اس پر فرض ہے ، حالانکہ اکثر حالات میں مشاہدہ سے علم قطعی حاصل ہوتا ہے اور شہادت سے علم ظنی ۔ ان دونوں مسئلوں سے بخوبی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ "الغاء" و "ابطال" میں کتنا بیّن فرق ہے ۔ پہلی صورت میں شریعت نے قبلہ کی صحیح سمت میں جو نماز بغیر تحری ادا کی جائے اس کا "الغاء" کیا ہے ، یعنی اس کو کالعدم قرار دیا ہے مگر اس کے قبلہ کی طرف نماز پڑھنے کا ابطال نہیں کیا ، یعنی یہ نہیں کہا کہ اس نے جانبِ قبلہ نماز ادا نہیں کی ۔ اسی طرح دوسری صورت میں قاضی یا امیر کے مشاہدہ کا ابطال نہیں کیا کہ انھوں

ثم اعلم ایضاً انہ قد یوافق اول الشھر بالحساب اولہ بالھلال وقد یتقدم الحساب عن الھلال و قد تتوالی اربعۃ اشھر ثلاثون ثلاثون یوماً

پھر تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ کبھی مہینہ کی پہلی تاریخ جو حساب کی رُو سے ہوتی ہے وہی ہلال کے اعتبار سے بھی ہوتی ہے اور کبھی حساب میں مہینہ ہلال سے پہلے ہی شروع ہو جاتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہلال کے لحاظ سے مسلسل چار ماہ

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)

نے اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھا، غلط دیکھا، بلکہ اس کا الغاء کیا ہے کہ یہ مشاہدہ اجرائے حدود کے باب میں کالعدم ہے۔

ہماری اس تقریر سے وہ شبہ بھی رفع ہو گیا جو مصر کے مشہور صحافی سید رشید رضا کو رؤیت ہلال کے مسئلے میں پیش آیا۔ ان کے شبہ کی بنیاد دو چیزوں پر ہے، ایک یہ کہ شہادت سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ ظنی ہے اور حساب سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ قطعی ہے اس لیے مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں جب شہادت پر اعتبار کر لیا جاتا ہے تو پھر تقویم پر کیوں نہیں کیا جا سکتا، جب کہ تقویم کی بنیاد علم ریاضی پر ہے۔ اس میں اولاً تو یہی دعویٰ غلط ہے کہ ریاضی کے اُصول پر ہلال کی کوئی تقویم بن سکتی ہے اور اگر بالفرض بن بھی جائے تو اس کی بنا پر حکم شریعت میں ترمیم نہیں کی جا سکتی، جب کہ شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے سرے سے موقتین کے حساب و کتاب کو کالعدم قرار دے دیا ہے۔ ہم نے یہاں وہ مثال بھی پیش کر دی ہے جہاں شرع میں علم ظنی کا اعتبار ہے اور علم قطعی کو کالعدم قرار دے دیا گیا ہے۔ غور فرمائیے اگر قاضی یا امیر مملکت کو اپنے ذاتی علم و مشاہدہ کی بنا پر اقامت حدود کا اختیار دیدیا جاتا تو پھر اس کی کیا ذمہ داری تھی کہ کل کو قاضی صاحب یا امیر مملکت جس سے خفا ہوتے اس کو محض اپنے علم و مشاہدہ کی بنا پر سنگسار نہ کرا دیتے، وہ بیچارہ ناکردہ گناہ لاکھ چلاتا اور سر پیٹتا کہ میں بالکل بے قصور ہوں مگر قاضی صاحب یہی کہہ کر اس کا خاتمہ کر دیتے کہ میں نے خود تجھے اس فعل شنیع کا ارتکاب کرتے دیکھا ہے۔

اسی طرح جب شریعت مقدسہ نے عام مسلمانوں کو صیام و افطار کا حق رؤیت ہلال